Scholar Insight Journal
https://scholarinsightjournal.com/
Volume.4, Issue.1 (Jan-Mar-2026)
Acceptance Date: 13-01-2026

HEC PAKISTAN Y Category
ONLINE - ISSN- 3006-9785
PRINT - ISSN- 3007-245X
Publication Date: 19-01-2026

شعری لسانیات: انیس ناگی کے معنوی واستعاراتی نظام کا تجزیہ

Poetic Linguistics: An Analysis of Anis Nagi's Semantic and Metaphorical System

رضاءاللہ

Razaullah
M.Phil Scholar, Superior University, Faisalabad, Pakistan.
raza3770@gmail.com

ڈاکٹر مبشر سعید باجوہ

Dr. Mubashar Saeed Bajwa
Hod, Department of Urdu, Superior University, Faisalabad,Pakistan.

Abstract

This research article investigates the theoretical framework of "Poetic Linguistics" pioneered by Anis Nagi, specifically focusing on his unique semantic and metaphorical system as an objective tool for literary analysis. Moving beyond traditional impressionistic criticism, Nagi’s theory posits that for a poet, the word is not merely a communicative medium but an autonomous "realm of experience." The study explores the core components of Nagi’s linguistic model, including the transition from general linguistic perception to creative expression, where lexical meanings fade to give way to a complex series of emotional reactions. Central to this analysis is Nagi’s redefinition of the metaphor as a tool for semantic expansion—arguing that it is rooted not only in similarity but also in contrast and relational proximity. The article further examines the concept of "Mahakaati Isti’ara" (mimesis/imagery), which grants physical embodiment to abstract concepts, and the dual nature of context (syntactic and emotional). By applying these principles to contemporary Urdu long poems, the study demonstrates how poetic linguistics decodes communicative complexities and reveals the deep structure of the text. The findings conclude that Nagi’s semantic system provides a scientific methodology for understanding the modern poem as an organic linguistic unit, where every word draws its value from its specific placement within the creative context rather than its dictionary definition.

Keywords: Poetic Linguistics, Anis Nagi, Semantics, Metaphorical Transfer, Imagery (Mahakaat), Syntactic Deviation, Emotional Context.

CC BY

Scholar Insight Journal
https://scholarinsightjournal.com/
Volume.4, Issue.1 (Jan-Mar-2026)
Acceptance Date: 13-01-2026

HEC PAKISTAN Y Category
ONLINE - ISSN- 3006-9785
PRINT - ISSN- 3007-245X
Publication Date: 19-01-2026

تعارف:

جدید ادبی تنقید میں لسانیات کا نفوذ محض ایک نئے نظریے کا اضافہ نہیں بلکہ یہ فن پارے کو پرکھنے کے روایتی معیارات میں ایک ہمہ گیر تبدیلی کی علامت ہے۔ شعری لسانیات کا بنیادی مقصد زبان کے ان مخفی گوشوں کو منور کرنا ہے جہاں ایک تخلیق کار عمومی بول چال کے منجمد سانچوں کو توڑ کر انہیں نئے جذباتی اور معنوی ابعاد عطا کرتا ہے۔ روایتی تاثراتی تنقید کے برعکس یہ منہج سائنسی معروضیت پر اصرار کرتا ہے، جس میں فن پارہ اپنی ساخت، صوتی لہروں اور معنوی جراحت کے ذریعے خود اپنا تعارف کرواتا ہے۔ یہ علم ہمیں باور کراتا ہے کہ شاعری محض الفاظ کا مجموعہ نہیں بلکہ صوتی علامتوں کا ایک ایسا نامیاتی نظام ہے جہاں لفظ کی قیمت اس کے مروجہ لغوی معنوں کے بجائے اس کے پیدا کردہ حسی ارتعاش اور داخلی ربط سے متعین ہوتی ہے۔

اردو میں شعری لسانیات کی باقاعدہ بنیاد گزاری کا سہرا انیس ناگی کے سر ہے، جنہوں نے پہلی بار یہ مقدمہ پیش کیا کہ شاعر کے لیے لفظ محض ابلاغ کا ذریعہ نہیں بلکہ ایک خود مختار "جہانِ واردات" ہے۔ انیس ناگی کا پیش کردہ معنوی واستعاراتی نظام اس حقیقت کی جستجو کرتا ہے کہ کس طرح ایک تخلیقی ذہن لغاتی مفاہیم کو زائل کر کے انہیں استعاراتی اور محاکاتی پیکروں میں منقلب کر دیتا ہے۔ معاصر طویل نظم کے تناظر میں یہ لسانیاتی مطالعہ مزید اہمیت اختیار کر جاتا ہے کیونکہ طویل نظم کی فکری وسعت اور ابلاغی پیچیدگیاں قاری سے ایک ایسے فعال ادراک کا تقاضا کرتی ہیں جو متن کی گہری ساخت تک رسائی حاصل کر سکے۔ زیرِ نظر بحث میں انیس ناگی کے لسانیاتی فریم ورک کی روشنی میں جدید اردو نظم کے معنوی ڈھانچے، استعاراتی تحویل اور تمثال آفرینی کے انفرادی تجربات کا احاطہ کیا گیا ہے، تاکہ تخلیقی زبان کی اس داخلی حرکیات کو سمجھا جا سکے جو اسے عمومی بیانیہ سے ممتاز کرتی ہے۔

"شعری لسانیات" کا تصور اردو ادب میں بیسویں صدی کے وسط میں انیس ناگی کی فکری کاوشوں کے نتیجے میں ایک باقاعدہ تنقیدی منہج کے طور پر ابھرا۔ یہ علم روایتی تنقید کے تاثراتی انداز کے برعکس، ادبی فن پارے کے اسلوب اور معنوی نظام کا تجزیہ سائنسی اور معروضی بنیادوں پر کرتا ہے۔ اس کی تعریف کے مطابق، شعری لسانیات محض قواعد وضوابط کا مجموعہ نہیں بلکہ یہ اس عمل کی جراحت ہے جس کے ذریعے ایک فنکار عام زبان کو تخلیقی زبان میں منتقل کرتا ہے۔ انیس ناگی نے اس تصور کو اردو میں ایک نئی جہت عطا کی، جہاں شاعر کے لیے لفظ محض ایک علامت نہیں بلکہ ایک پوری کائنات بن جاتا ہے۔ اس علمی نظریے کی بنیادی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے انیس ناگی رقم طراز ہیں:

> "فنکار اور بالخصوص شاعر کے لیے لفظ سب سے بڑی حقیقت ہے، یہ وہ جہانِ واردات ہے جس کے معانی کے ادراک اور تشکیل کے لیے شاعر کی عمر گزر جاتی ہے"(1)

اس علم کے حدودِ عمل کا تعین کرتے ہوئے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ شعری لسانیات کا دائرہ زبان کی چار بنیادی سطحوں

CC BY

HEC PAKISTAN Y Category
ONLINE - ISSN- 3006-9785
PRINT - ISSN- 3007-245X
Publication Date: 19-01-2026

یعنی صوتیات، لفظیات، نحویات اور معنیات کے گرد گھومتا ہے۔ تاہم، اس کا اختصاص یہ ہے کہ یہ ان سطحوں کا مطالعہ الگ تھلگ کرنے کے بجائے ایک "وحدت" کے طور پر کرتی ہے۔ جہاں ماہرِ لسانیات زبان کو ایک سائنسی حقیقت سمجھ کر پرکھتا ہے، وہیں شعری لسانیات کا نقاد اس بات کی کھوج لگاتا ہے کہ کس طرح لسانی امکانات میں سے مخصوص انتخاب کے ذریعے ایک منفرد اسلوب جنم لیتا ہے۔ اس سائنسی اور تحقیقی رویے کی اہمیت کے بارے میں ڈیوڈ کرسٹل کی رائے نہایت کلیدی ہے:

"لسانیات کا علم سائنٹیفک طریقے سے زبان کا مطالعہ کرتا ہے۔ اس علم کا موضوع زبان ہے۔"(2)

جدید شعری لسانیات کی حدود میں یہ نکتہ بھی شامل ہے کہ فن پارہ محض "پیغام" کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک خود مختار "ڈسکورس" ہے، جس کی تفہیم کے لیے اس کے داخلی ڈھانچے کو سمجھنا ناگزیر ہے۔ یہ علم ہمیں بتاتا ہے کہ شاعر کس طرح مروجہ لسانی اصولوں سے انحراف کر کے ایک ایسی فضا تخلیق کرتا ہے جہاں لغوی معنی زائل ہو کر استعاراتی اور محاکاتی معانی کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ چنانچہ شعری لسانیات کا مطالعہ دراصل زبان کی جراحت کے ذریعے تخلیقی عمل کی ان تہوں تک پہنچنے کی ایک منظم کوشش ہے جو عام قاری کی نظروں سے اوجھل رہتی ہیں۔ اس عمل کے نتیجے میں حاصل ہونے والے معطیات نہ صرف فن پارے کی جمالیاتی قدر شناسی میں مدد دیتے ہیں بلکہ زبان کی ارتقائی صلاحیتوں کو بھی واضح کرتے ہیں۔

لسانیات کے عصری تناظر میں "لسانی ادراک" کی تفہیم دو متوازی دھاروں کی صورت میں کی جاتی ہے؛ ایک وہ جو روزمرہ کی ضرورتوں اور میکانکی ابلاغ سے عبارت ہے اور دوسرا وہ جو فنکارانہ جمالیات اور تخلیقی بصیرت کا مرہونِ منت ہے۔ عمومی لسانی اظہار اپنی فطرت میں محض ایک وسیلہ ہے جس کا مقصد معلومات کی ترسیل اور سماجی میل جول کے تقاضوں کو پورا کرنا ہوتا ہے۔ اس سطح پر زبان کے قواعد منجمد اور اس کے معنی متعین ہوتے ہیں، جہاں لفظ اور شے کا رشتہ محض ایک "اشارہ" بن کر رہ جاتا ہے۔ اس کے برعکس، جب ایک تخلیقی ذہن اس لسانی نظام میں مداخلت کرتا ہے تو زبان کے مروجہ سانچے ٹوٹ جاتے ہیں اور لفظ اپنے لغوی حصار سے نکل کر استعاراتی وسعت اختیار کر لیتا ہے۔ انیس ناگی نے ان دونوں کے مابین جوہری فرق کو جس باریک بینی سے واضح کیا ہے، وہ تخلیقی عمل کی نفسیات کو سمجھنے میں معاون ثابت ہوتا ہے:

"عمومی لسانی ادراک غیر تخلیقی ہوتا ہے۔ اس میں اظہار کے پیرائے کی کل کائنات میں چند مروج لہجے ہوتے ہیں جن کی متواتر تکرار سے مافی الضمیر ادا کیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس تخلیقی لسانی ادراک تجربات کی دریافت اور تشکیل ہوتا ہے۔۔۔۔ بالفاظِ دیگر عمومی لسانی ادراک اشاروں کی بدولت کیا جاتا ہے اور تخلیقی لسانی ادراک انہی اشاروں کو استعاروں میں منتقل کرنے سے جنم لیتا ہے"(3)

تخلیقی لسانی ادراک کا یہ عمل دراصل زبان کی "مغائرت" (Defamiliarization) سے جڑا ہوا ہے۔ جان موراسکی کے "فورگراؤنڈنگ" کے نظریے کے مطابق، شاعری زبان کے عمومی استعمال کو پس منظر میں دھکیل کر غیر معمولی

CC BY

تجربات کو پیش منظر پر لاتی ہے۔عام بول چال میں ہم زبان کو شعوری طور پر محسوس نہیں کرتے، لیکن تخلیقی اظہار میں لفظ اپنی آواز، ساخت اور معنوی گہرائی کے باعث ہماری توجہ کا مرکز بن جاتا ہے۔یہاں شاعر مروجہ لسانی پابندیوں سے گریز کر کے اپنے آزادانہ نحوی ڈھانچے تشکیل دیتا ہے، جس کے نتیجے میں کلام کے اندر ایک ایسی جذباتی لہر پیدا ہوتی ہے جو قاری کے حواس کو متاثر کرتی ہے۔ شعری لفظ کی اسی انفرادی حیثیت اور اس کی معنوی تبدیلی کے حوالے سے ڈاکٹر شمس الرحمٰن فاروقی کا یہ مشاہدہ نہایت اہمیت رکھتا ہے:

"شعری لفظ ردِ عمل کے ایک طویل سلسلے کو راہ دیتا ہے جس میں اس لفظ کی لغوی معنویت زائل ہو جاتی ہے"

(4)

چنانچہ یہ فرق واضح کرتا ہے کہ عمومی لسانی ادراک جہاں ایک بند اور محدود نظام ہے، وہیں تخلیقی اظہار ایک لا متناہی سفر ہے جو لفظ کو نئے ابعاد عطا کرتا ہے۔ عمومی زبان میں ابلاغ کا دار و مدار تکرار اور مانوسیت پر ہوتا ہے، جبکہ شعری زبان حیرت اور نئی معنویت سے جنم لیتی ہے۔شاعر حواسِ خمسہ کے ذریعے حاصل ہونے والے خام تجربات کو جب تخلیقی سانچوں میں ڈھالتا ہے تو وہ زبان کو ایک ایسی توانائی بخشتا ہے جو مروجہ لغات میں مقید نہیں ہوتی۔یہی وجہ ہے کہ تخلیقی اظہار کا ہر نمونہ اپنی جگہ ایک منفرد لسانی وحدت ہوتا ہے جو عمومی ابلاغ کے سادہ اشاروں کو پیچیدہ اور تہہ دار استعاروں میں منقلب کر کے انسانی تجربے کی نئی تعبیر پیش کرتا ہے۔اس طرح لسانی ادراک کا یہ دوہرا نظام زبان کی ہمہ گیری اور اس کی تخلیقی قوت کا سب سے بڑا ثبوت بن کر سامنے آتا ہے۔

لغاتی معنی کسی بھی زبان کے وہ بنیادی اور اساسی حوالہ جات ہوتے ہیں جو کسی لفظ کو ایک معینہ شناخت اور وضعی دلالت عطا کرتے ہیں۔لسانیات کی رو سے لغت کا مرتبہ اس وقت متعین ہوتا ہے جب الفاظ اپنے سماجی اور نحوی سیاق سے الگ ہو کر اپنی جامد اور قطعی صورت میں منکشف ہوں۔لغاتی معنی دراصل لفظ کی وہ اساسی جبلت ہے جس کے لیے اسے تخلیق کیا گیا، اور یہی وہ مقام ہے جہاں لفظ اور اس کے معنوی مدلول کے درمیان ایک مقررہ رشتہ قائم ہوتا ہے۔تاہم، جب یہی لفظ شعری تجربے کی بھٹی سے گزرتا ہے تو اس کی لغوی حیثیت ثانوی ہو جاتی ہے۔شاعر لفظ کو لغت کے منجمد خانوں سے نکال کر اسے ایک ایسی نامیاتی قوت میں بدل دیتا ہے جہاں وہ محض معلومات کی ترسیل کا ذریعہ نہیں رہتا بلکہ جذبات اور حسیات کا ایک متحرک مرقع بن جاتا ہے۔

شعری لفظ کی انفرادیت اس کی اس قوت میں پنہاں ہے کہ وہ قاری کے ذہن میں ایک لامتناہی معنوی ارتعاش پیدا کرتا ہے۔لغاتی سطح پر لفظ کا ابلاغ تکرار اور مانوسیت کا محتاج ہوتا ہے، لیکن شعری سطح پر لفظ اپنی دلالت کے نئے در وا کرتا ہے۔یہاں "دلالت" کا تصور کلیدی اہمیت اختیار کر جاتا ہے، جہاں ایک معلوم شے (لفظ) سے کسی نامعلوم حقیقت (معنی) تک رسائی حاصل

CC BY

کی جاتی ہے۔روایتی قواعد اور علمِ بیان کے ماہرین نے اس معنوی رشتے کو "دلالتِ وضعی" سے تعبیر کیا ہے، لیکن شاعری میں یہ دلالت اپنے مروجہ مفہوم سے بلند ہو کر تخئیل کی رنگ آمیزی سے عبارت ہو جاتی ہے۔ معنوی دلالت کی اس فنی حقیقت کو مولوی نجم الغنی رامپوری نے ان الفاظ میں واضح کیا ہے:

"دلالت اصطلاح میں کسی چیز کا ایسی حالت پر ہونے کو کہتے ہیں کہ اگر اس چیز کو جان لیں تو اس سے دوسری چیز کا جاننا لازم آجائے"(5)

لسانی تجزیے کی رو سے شعری لفظ اپنی ساخت میں تو لغاتی ہوتا ہے لیکن اپنے عمل میں ماورائے لغت ہوتا ہے۔شاعر لفظ کی مخفی خصوصیات کو بروئے کار لا کر اس کے گرد جذباتی انسلاکات کا ایک ایسا ہالہ تیار کرتا ہے کہ لفظ اپنے لغوی جکڑ بند سے آزاد ہو جاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ایک ہی لفظ مختلف شعری سیاق میں آ کر اپنی شناخت بدل لیتا ہے۔ لغت میں "چاند" کا مطلب ایک فلکیاتی جرم ہے، لیکن شعری لغت میں یہ محبوب کا چہرہ، تنہائی کا ساتھی، یا ظلمتِ شب میں امید کی علامت بن کر اپنی انفرادیت ثابت کرتا ہے۔چنانچہ شعری لسانیات ہمیں یہ باور کراتی ہے کہ فن پارہ لغت کی تکرار نہیں بلکہ معانی کی ایک نئی کائنات کی تخلیق ہے، جہاں لفظ کی قیمت اس کے مروجہ معنوں سے نہیں بلکہ اس کے پیدا کردہ حسی ارتعاش اور معنوی وسعت سے لگائی جاتی ہے۔ اس طرح لغاتی معنی کی حیثیت ایک خام مال کی سی رہ جاتی ہے جسے شاعر اپنی تخلیقی فنکاری سے ایک بیش قیمت استعاراتی زیور میں ڈھال دیتا ہے۔

شعری لسانیات کے فکری نظام میں استعارہ محض ایک لغوی صفت یا علمِ بیان کا جزو نہیں ہے بلکہ یہ زبان کی معنوی حدود کو توڑ کر اسے نئی وسعتوں سے ہمکنار کرنے کا طاقتور ترین تخلیقی وسیلہ ہے۔جہاں لغاتی معنی لفظ کو ایک مخصوص اور محدود دائرے میں مقید کر دیتے ہیں، وہاں استعارہ لفظ کی اس منجمد حیثیت کو ختم کر کے اسے نئی معنوی دلالتوں کا حامل بنا دیتا ہے۔یہ عمل دراصل لفظ کی اساسی جبلت سے انحراف ہے، جس میں شاعر کسی ایک کلمے کو اس کے مروجہ پس منظر سے نکال کر ایک بالکل نئے اور اچھوتے تناظر میں استعمال کرتا ہے۔استعارے کی بدولت ہی زبان میں وہ لچک پیدا ہوتی ہے جس کے ذریعے تجریدی تصورات کو حسی پیکروں میں ڈھالا جا سکتا ہے۔اس لسانی عمل کی حقیقت کو انیس ناگی نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"جب کسی ایک لفظ کو اس شے کے لیے استعمال کیا جائے جس کے لیے وہ اساسی طور پر وضع نہ کیا گیا ہو تو اسے استعارہ سے تعبیر کرتے ہیں"(6)

استعارہ سازی کا یہ عمل شاعر کے شعری تجربے کی عکاسی کرتا ہے، جس میں وہ کائنات کی اشیاء کے درمیان دور و نزدیک کے ایسے نسبتی رشتے تلاش کرتا ہے جو عام انسانی نگاہ سے اوجھل ہوتے ہیں۔ شعری زبان میں معنی کی تخلیق کا سارا دارومدار اسی استعاراتی تحویل پر ہے، کیونکہ استعارہ ہی وہ مقام ہے جہاں شاعرانہ تخیل اور لسانی ڈھانچہ باہم بغل گیر ہو کر ایک نئی

حقیقت کو جنم دیتے ہیں۔ یہ تخلیقی وصال لفظ کے لغوی بوجھ کو زائل کر کے اس میں ایک جذباتی ارتعاش پیدا کرتا ہے، جو قاری کے لاشعور تک رسائی حاصل کرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔ معنی اور شاعری کے اسی باہمی تعلق میں استعارے کی مرکزیت کو واضح کرتے ہوئے محمد ہادی حسین لکھتے ہیں:

"معنی اور شاعری کا سب سے نمایاں نقطہءوصال استعارہ ہے۔استعارہ ہی وہ وسیلہ ہے جس کی مدد سے شاعر الفاظ میں معنی پیدا کرتی ہے۔"(7)

جدید شعری لسانیات میں استعارہ محض مشابہت کا محتاج نہیں رہا بلکہ یہ تضاد اور دیگر علامتی رشتوں کے ذریعے بھی معنوی توسیع کا فریضہ سرانجام دیتا ہے۔ جب شاعر کسی استعارے کو خلق کرتا ہے تو وہ دراصل قاری کو ایک ایسی مہم جوئی کی دعوت دیتا ہے جہاں معنی کی یک رنگی ختم ہو جاتی ہے اور تشریح و تعبیر کے لامتناہی در وا ہوتے ہیں۔ استعارے کی یہی معنوی تکثیریت اسے "اشارے" سے ممتاز کرتی ہے، کیونکہ اشارہ براہِ راست اور یک طرفہ ہوتا ہے جبکہ استعارہ اپنی تہوں میں جذباتی انسلاکات کا ایک پورا جہان چھپائے ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ کہنا بجا ہے کہ استعارہ ہی وہ نامیاتی عنصر ہے جو شاعری کو ایک خود مختار لسانی کائنات کا درجہ عطا کرتا ہے اور زبان کو میکانکی ابلاغ کی سطح سے اٹھا کر تخلیقی فنکاری کی معراج تک پہنچاتا ہے۔ اسی تخلیقی قوت کے باعث معاصر طویل نظم میں معنی کے ایسے پیراہن تیار کیے گئے ہیں جو روایت کی فرسودگی کو توڑ کر عصرِ حاضر کے شعور کی نمائندگی کرتے ہیں۔

مشابہت کائنات کے مظاہر میں ایک ایسا بنیادی جوہر ہے جو اشیاء کے درمیان نامیاتی رشتہ قائم کرنے کا فریضہ سرانجام دیتا ہے۔ شعری لسانیات میں مشابہتی رشتوں کا مطالعہ اس لیے کلیدی اہمیت رکھتا ہے کہ شاعر محض سطحی مماثلتوں پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ اپنے گہرے مشاہدے کی قوت سے اشیاء کے درمیان ایسے پوشیدہ اوصاف ڈھونڈ نکالتا ہے جو دو مختلف مادی یا مجرد حقیقتوں کو ایک معنوی مرکز پر لا کھڑا کرتے ہیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں فن پارے میں "ساختی وحدت" (Structural Unity) جنم لیتی ہے، جس میں لفظ اپنے انفرادی وجود سے دستبردار ہو کر پورے شعری ڈھانچے کی کلیت کا حصہ بن جاتا ہے۔ انیس ناگی کے نزدیک یہ عمل محض الفاظ کی جڑت نہیں بلکہ ایک گہرا لسانی اور معنوی اتحاد ہے جو کلام میں وزن پیدا کرتا ہے:

"لسانی عمل میں تقابلی یا مشابہتی استعارہ کا اصول اتحاد کا نتیجہ ہوتا ہے۔"(8)

مشابہت کے ان رشتوں کی تخلیق میں جہاں تشبیہ ایک بنیادی وسیلہ ہے، وہاں بعض اوقات تضاد کے ذریعے بھی معنوی ہم آہنگی پیدا کی جاتی ہے۔ ساختی وحدت کا تقاضا یہ ہے کہ شاعر مشبہ اور مشبہ بہ کے درمیان پائے جانے والے اشتراکِ وصفی کو اس فنکاری سے برتے کہ قاری کو بظاہر متضاد اشیاء کے باوجود ایک گہرا داخلی ربط محسوس ہو۔ مرزا غالب نے تضادی رشتوں سے استعارہ سازی کر کے اس ساختی حسن کو جس طرح اجاگر کیا، اس کی مثال اردو کی شعری روایت میں نہایت نادر ہے۔

جب وہ آسمان کی وسعت کو چیونٹی کے انڈے کی تنگی سے مماثل قرار دیتے ہیں تو یہ دراصل وسعت اور تنگی کے مابین ایک نیا مشابہتی رشتہ استوار کرنے کی کامیاب کوشش ہوتی ہے جو نظم کے مجموعی اسٹرکچر کو مستحکم کرتی ہے:

کیا تنگیِ ہم ستم زدگاں کا جہاں ہے
جس میں اک بیضۂ مور آسماں ہے (9)

معاصر طویل نظم میں، بالخصوص علی محمد فرشی اور سعید احمد کے ہاں، مشابہتی رشتوں کی یہ ساختی وحدت ایک پیچیدہ مگر مربوط معنوی نظام تشکیل دیتی ہے۔ یہاں شاعر شعوری طور پر ایسے تقابلی سانچے وضع کرتا ہے جہاں خارجی دنیا کے حقائق اور باطنی حسیات کے درمیان ایک لسانی پل تعمیر ہو جاتا ہے۔ یہ وحدت نظم کے بکھرے ہوئے اجزاء کو ایک مرکز پر اکٹھا کرتی ہے، جس سے طویل نظم کی ابلاغی پیچیدگی میں توازن پیدا ہوتا ہے اور قاری کے لیے معنوی تہوں تک رسائی سہل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ یہ مشابہتی رشتے محض کلام کی آرائش کا ذریعہ نہیں ہوتے بلکہ یہ نظم کے کلیاتی ڈھانچے کو منطقی استحکام بخشتے ہیں اور زبان کے حسی اظہار میں ایسی وسعت پیدا کرتے ہیں جو محض لغوی معنوں کے میکانکی استعمال سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس طرح ساختی وحدت کی بدولت فن پارہ ایک نامیاتی کل کے طور پر ابھرتا ہے جو انسانی تجربے کی نئی اور ہمہ گیر تعبیر پیش کرنے کے قابل ہوتا ہے۔

شعری لسانیات کے مباحث میں "محاکاتی استعارہ" ایک ایسی صوری اور معنوی کیفیت کا نام ہے جہاں لفظ محض ایک مجرد علامت یا ذہنی تصور نہیں رہتا، بلکہ وہ قاری کے چشمِ تصور میں ایک متحرک تصویر بن کر ابھرتا ہے۔ یہ عمل دراصل زبان کی وہ تجسیمی قوت ہے جس کے ذریعے شاعر غیر محسوس جذباتی واردات کو ٹھوس مادی پیکروں میں ڈھال دیتا ہے۔ تمثال آفرینی یا امیجری کا بنیادی وظیفہ بھی یہی ہے کہ وہ الفاظ کے ذریعے ایک ایسی بصری فضا تخلیق کرے جو قاری کے حواسِ خمسہ کو براہِ راست متاثر کر سکے۔ جب کوئی استعارہ محاکات کے زیور سے آراستہ ہوتا ہے، تو وہ معنی کی تفہیم کو سہل بنانے کے ساتھ ساتھ اسے ایک ایسی جمالیاتی تاثیر بھی عطا کرتا ہے جو انسانی حافظے پر دیرپا نقش چھوڑتی ہے۔ ادبی اصطلاحات کے تناظر میں تمثال آفرینی کی فنی حقیقت کو ہارون الرشید تبسم نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"تمثال آفرینی کا مفہوم یہ ہے کہ لفظوں کی ایسی صورت جو چشمِ خیال کے نتیجے میں قاری کو متاثر کرے اور اس کے ذہن پر کندہ ہو جائے۔"(10)

محاکاتی استعارے کی اہمیت اس لحاظ سے بھی مسلم ہے کہ یہ مجرد خیالات کو ایک مخصوص جسامت اور حجم عطا کرتا ہے۔ انیس ناگی کے نزدیک شعری لسانیات میں لفظ کی سہ طرفہ معنویت (اشارہ، محاکات اور کیفیت) اس وقت مکمل ہوتی ہے جب شاعر اشیاء کے باہمی تعلق کو تصویروں کی صورت میں منتقل کرنے پر قادر ہو۔ عام لسانی اظہار میں تصورات دھندلے اور غیر واضح ہو سکتے ہیں، لیکن محاکاتی پیرائے میں وہ ایک جیتی جاگتی حقیقت بن کر سامنے آتے ہیں۔ یہ شعوری نقش گری انسانی ادراک

کے اس فطری میلان کی عکاسی کرتی ہے جہاں ذہن معلومات کو تصویروں کی صورت میں محفوظ کرنے کا عادی ہوتا ہے۔ انسانی شعور اور ان تصویری نقوش کے باہمی رشتے کو پروفیسر انور جمال نے نہایت جامع انداز میں یوں واضح کیا ہے:

"انسانی شعور ایک لوح کی مانند ہے جس پر اشکال اور تصویریں مرتسم ہوتی رہتی ہیں۔"(11)

معاصر طویل نظم میں محاکاتی استعارہ محض منظر نگاری کا نام نہیں بلکہ یہ معنوی پیچیدگیوں کو سلجھانے کا ایک اہم لسانی حربہ ہے۔ شاعر جب "مٹی کے دریا پر نیندوں کی کائی" یا "سمندر پر سطریں بناتی ناؤ" جیسے پیکر تراشتا ہے، تو وہ دراصل زبان کے لغوی بوجھ کو ایک حرکی تصویر میں تبدیل کر رہا ہوتا ہے۔ یہ تصویری ادراک قاری کو شاعر کے داخلی تجربے میں براہِ راست شریک کر لیتا ہے، جس سے ابلاغ کی راہیں مزید ہموار ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ تمثال آفرینی اور محاکات مل کر شاعری کو ایک ایسی آفاقی زبان عطا کرتے ہیں جو لفظوں کی قید سے آزاد ہو کر احساسات کے بصری منطقے میں داخل ہو جاتی ہے۔ یہی وہ تخلیقی جوہر ہے جو عہدِ حاضر کی اردو نظم کو روایتی شاعری سے ممتاز کرتا ہے اور اسے ایک خود مختار جمالیاتی اکائی کا درجہ دیتا ہے۔

لسانیات کے روایتی تصور میں سیاق و سباق سے مراد عموماً کسی جملے یا لفظ کے آگے پیچھے موجود عبارت لی جاتی ہے، لیکن شعری لسانیات کے دائرہ عمل میں "سیاق و سباق" ایک ہمہ گیر اور دو طرفہ نظام کا نام ہے۔ اس کا ایک رخ "نحوی ساخت" (Syntactic Structure) سے جڑا ہے، جو کلام میں لفظوں کی ترتیب اور ان کے باہمی جوڑ سے عبارت ہے، جبکہ دوسرا اور زیادہ اہم رخ "جذباتی سیاق" ہے، جو شاعر کے باطنی تجربے اور تخئیل کی رنگ آمیزی سے وجود پاتا ہے۔ شاعری میں لفظ اپنی انفرادی لغوی حیثیت سے دستبردار ہو کر پورے شعری ڈھانچے کی معنوی ضرورت بن جاتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں شاعر عام زبان کے مروجہ قواعد اور منطقی تسلسل سے انحراف کر کے ایک ایسی نئی فضا تخلیق کرتا ہے جہاں ہر لفظ اپنے مقام وقوع کے اعتبار سے نئی معنویت کشید کرتا ہے۔ تحریری اظہار میں لفظوں کی اسی موزونیت اور معنوی جرت کو سلیم شہزاد نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"اصطلاحاً قلمی یا تحریری اظہار میں لفظوں، فقروں اور جملوں کا خیال اور معنویت کے پیشِ نظر اپنے درست مقام پر واقع ہونا۔"(12)

شعری سیاق و سباق کی حقیقی پہچان یہ ہے کہ وہ قاری کے سامنے محض معلومات کا ذخیرہ پیش نہیں کرتا بلکہ ایک مکمل "استعارتی تحویل" (Metaphorical Transfer) خلق کرتا ہے۔ اگر شاعر اپنے کلام میں صرف نحوی دروبست پر اکتفا کرے اور جذباتی فضا پیدا کرنے میں ناکام رہے، تو وہ کلام تخلیقی سطح پر بانجھ محسوس ہوتا ہے۔ انیس ناگی کے نزدیک شعری لسانیات کا اصل منصب ہی یہ ہے کہ وہ اس جذباتی اور نفسیاتی ماحول کی تفہیم کرے جو لفظوں کے درمیان چھپا ہوتا ہے۔ شاعر

جب عام بول چال کے لسانی سیاق سے ہٹ کر جذبے کی شدت کے تحت نئے لسانی مرکبات بناتا ہے، تو وہ زبان کے ڈھیکے کو ایک نئی توانائی بخشتا ہے۔ اسی استعاراتی عمل کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے انیس ناگی رقم طراز ہیں:

> "شعری سیاق وسباق میں استعاراتی تحویل کا ہونا لازمی ہے۔ اگر شاعر شعری سیاق وسباق میں استعاراتی تحویل خلق کرنے سے عاجز ہے تو وہ فی الحقیقت صرفی و نحوی سیاق و سباق تیار کر رہا ہے۔ جس میں معانی جذباتی صورت حال سے تقویت حاصل کرنے کی بجائے صرفی ونحوی پابندیوں کی گرفت میں ہوتے ہیں۔"(13)

معاصر طویل نظم میں نحوی ساخت اور جذباتی سیاق کا باہمی توازن ہی اس کی ابلاغی پیچیدگیوں کو سلجھانے کا واحد ذریعہ ہے۔ علی محمد فرشی کی نظموں میں جب ہم "مٹی کے دریا" یا "نیندوں کی کائی" جیسے تراکیب دیکھتے ہیں، تو یہاں مروجہ گرامر کے اصولوں سے انحراف واضح نظر آتا ہے، لیکن شاعر کے پیدا کردہ جذباتی سیاق میں یہ تراکیب ایک مکمل اور مربوط معنوی کائنات کی ترجمانی کرتی ہیں۔ یہاں نحوی ساخت جذباتی واردات کے تابع ہو جاتی ہے، جس کے نتیجے میں معنی کی وہ تہیں کھلتی ہیں جو عام لسانی تجربے میں ناممکن معلوم ہوتی ہیں۔ چنانچہ یہ کہنا بجا ہے کہ شعری سیاق وسباق دراصل وہ نامیاتی وحدت ہے جہاں لفظ کی جسمانی بناوٹ اور اس کی روحانی کیفیت مل کر ایک ایسے فن پارے کو جنم دیتی ہیں جو زمان و مکاں کی قید سے آزاد ہو کر آفاقی معنویت کا حامل بن جاتا ہے۔ یہی وہ اسلوب ہے جو جدید نظم کو محض بیانیہ بننے سے بچاتا ہے اور اسے ایک خود مختار لسانی جریدہ عطا کرتا ہے۔

اردو شاعری کی روایتی بساط پر طویل نظم کا ابھرنا محض ہیئت کی تبدیلی نہیں تھی بلکہ یہ انسانی شعور کی وسعت اور فکری پیچیدگیوں کو سمیٹنے کی ایک شعوری کوشش تھی۔ معاصر عہد میں طویل نظم نے اپنے دامن میں فلسفہ، سماجیات، نفسیات اور مابعد الطبیعات کے ان تمام ابعاد کو جگہ دی ہے جن کے لیے غزل کے اختصار میں گنجائش نکالنا دشوار تھا۔ طویل نظم کی یہ صنف شاعر سے نہ صرف وسیع مشاہدے کا تقاضا کرتی ہے بلکہ یہ معانی کی ان تہوں کو بھی سامنے لاتی ہے جو ایک مسلسل اور مربوط شعری سفر کے بغیر منکشف نہیں ہو سکتیں۔ اس ارتقائی عمل نے اردو نظم کو ایک ایسی صوری اور معنوی بلوغت عطا کی ہے جہاں وہ ایک وحدت کے طور پر انسانی وجود کے کرب اور کائناتی اسرار کی ترجمانی کرتی ہے۔ اردو نظم کی اسی امتیازی خصوصیت کو ڈاکٹر وزیر آغا نے غزل کے تقابل میں معنوی گہرائی سے تعبیر کیا ہے۔

معاصر طویل نظم میں معنوی گہرائی کا یہ سفر دراصل شاعر کے داخلی مشاہدے اور خارجی حقائق کے مابین ایک تخلیقی مکالمہ ہے۔ علی محمد فرشی اور سعید احمد جیسے شعراء کی نظمیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ جدید نظم محض بیانیہ نہیں بلکہ یہ علامتوں اور استعاروں کا ایک ایسا جال ہے جس میں معنی کی کثرت موجود ہوتی ہے۔ یہاں ابلاغ کی پیچیدگی اس لیے پیدا ہوتی ہے کہ شاعر مروجہ لسانی اشاروں کے بجائے ذاتی اور اچھوتے استعاراتی نظام سے کام لیتا ہے۔ لسانیاتی مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ نظم کی یہ معنوی گہرائی قاری سے اس فعال شرکت کا مطالبہ کرتی ہے جہاں وہ متن کی قرات کے دوران شاعر کے تخلیقی عمل کو اپنے لاشعور میں

CC BY

دوبارہ تخلیق کر سکے۔ شعری زبان کا یہ جادو قاری کے جذبات کو انگیخت کر کے اسے معنی کی ان گہرائیوں تک لے جاتا ہے جہاں لفظ کی لغوی حیثیت پس منظر میں چلی جاتی ہے۔ شعری فن پارے کے اسی معکوسی اور حسیاتی عمل کو قاضی افضال حسین نے ان الفاظ میں واضح کیا ہے:

"تخلیقی زبان میں لفظ سے احساس یا جذبے کے اظہار کے ساتھ ہی قاری میں بھی یہی جذبات واحساسات برانگیختہ کرنے کا کام لیا جاتا ہے"(14)

چنانچہ معاصر طویل نظم کا مطالعہ یہ ثابت کرتا ہے کہ اس صنف نے اردو شاعری کو لسانی تکرار سے بچا کر ایک نئ فکری جہت عطا کی ہے۔ معنوی گہرائی کی بدولت یہ نظمیں محض وقتی تاثر پیدا نہیں کرتیں بلکہ ایک پائیدار معنوی نظام تشکیل دیتی ہیں جو ہر نئ قرات کے ساتھ بدلتے ہوئے عصری تناظر میں نئے مفاہیم کو جنم دیتا ہے۔ یہ گہرائی دراصل اس بات کی علامت ہے کہ اردو نظم اب عالمی ادب کی ان روایات سے ہم آہنگ ہو چکی ہے جہاں فن پارہ اپنے داخلی ربط اور معنوی تہوں کی وجہ سے ایک زندہ اور نامیاتی وجود کے طور پر پہچانا جاتا ہے۔اس طرح جدید طویل نظم کا لسانی اور معنیاتی تجزیہ ہمیں اس حقیقت تک پہنچاتا ہے کہ انسانی تجربہ جتنا پیچیدہ اور عمیق ہوگا،اس کا شعری اظہار بھی اسی قدر تہہ داری اور معنوی وسعت کا حامل ہوگا۔یہی وہ تخلیقی جوہر ہے جو عہدِ حاضر کے نظم گو شعراء کو ایک منفرد مقام عطا کرتا ہے اور ان کے کلام کو جدید انسان کی فکری تاریخ کا اہم دستاویز بناتا ہے۔

اس تحقیقی مقالے کا **ماحصل** یہ ہے کہ انیس ناگی نے "شعری لسانیات" کے ذریعے اردو تنقید کو ایک ایسا معروضی اور سائنسی نظام عطا کیا ہے جو فن پارے کی تفہیم محض لغوی معنوں یا تاثراتی پسندیدگی کی بنیاد پر نہیں بلکہ اس کے داخلی معنوی نظام کی جراحت کے ذریعے کرتا ہے۔انیس ناگی کا یہ فکری نظام ثابت کرتا ہے کہ شاعری کی زبان عمومی ابلاغ کی زبان سے اپنی تخلیقی ساخت،استعارتی تحویل اور جذباتی سیاق وسباق کی بناپر ممتاز ہے۔ معاصر طویل نظم کے مطالعے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ جدید شاعر لغت کے منجمد اشاروں کو جب استعاروں اور محاکاتی پیکروں میں منقلب کرتا ہے تو وہ دراصل زبان کے پرانے مباحث کو ایک نئ توانائی بخش رہا ہوتا ہے۔ یہ مطالعہ ہمیں اس نتیجے پر پہنچاتا ہے کہ فن پارہ ایک خود مختار لسانی کائنات ہے جس کے معانی کی تہیں صوتی لہروں، نحوی انحراف اور تمثال آفرینی کے باہمی تعامل سے بنتی ہیں،اور ان تک رسائی کے لیے لسانیاتی تجزیہ ہی سب سے معتبر علمی حربہ ہے۔

مجموعی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ معاصر طویل اردو نظم میں ابلاغ کی پیچیدگی دراصل اس کی معنوی گہرائی کا شاخسانہ ہے،جہاں شاعر مروجہ لسانی ضابطوں کے بجائے "جذباتی نحویات" کو فوقیت دیتا ہے۔انیس ناگی کے معنوی واستعاراتی نظام کے اطلاق سے یہ ثابت ہوا کہ شعری لفظ کی انفرادیت اس وقت قائم ہوتی ہے جب وہ اپنے لغاتی مفہوم کو زائل کر کے ایک وسیع جذباتی انسلاک کا حامل بن جائے۔ نتائج سے یہ بھی عیاں ہوتا ہے کہ محاکاتی استعارے اور مشابہتی رشتے نظم کو ایک ایسی ساختی وحدت فراہم

کرتے ہیں جو اسے محض بکھرے ہوئے خیالات کا مجموعہ بننے سے بچا کر ایک نامیاتی کل میں تبدیل کر دیتی ہے۔ بالآخر یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ جدید اردو نظم کی تفہیم کے لیے روایتی تنقیدی اسالیب اب ناکافی ہو چکے ہیں اور لسانیاتی منہج ہی وہ واحد راستہ ہے جو متن کی گہری ساخت اور شاعر کے باطنی تجربے کے درمیان منطقی ربط پیدا کر سکتا ہے۔

سفارشات:

۱۔ جامعات کے اردو نصاب میں "شعری لسانیات" کو ایک مستقل تربیتی شعبے کے طور پر شامل کیا جائے تاکہ طلبہ فن پارے کو روایتی تشریح کے بجائے سائنسی تجزیے کی بنیاد پر پرکھنے کی مہارت حاصل کر سکیں۔

۲۔ جدید اردو نظم، بالخصوص طویل نظم کے ابلاغی مسائل کو حل کرنے کے لیے انیس ناگی کے پیش کردہ "استعاراتی تحویل" اور "جذباتی سیاق" کے اصولوں پر مزید تحقیقی کام کیا جائے تاکہ تنقید میں نئی وسعتیں پیدا ہوں۔

۳۔ اردو میں "معنیاتی ڈیٹا بیس" (Semantic Database) تیار کیا جائے جس میں کلاسیکی اور معاصر شعراء کے استعمال کردہ استعاروں اور علامات کے بدلتے ہوئے لسانی و تہذیبی تناظر کو دستاویزی شکل دی جا سکے۔

۴۔ بین العلومی تحقیق کو فروغ دیتے ہوئے لسانیات کے معنیاتی شعبے کو نفسیات اور عمرانیات کے ساتھ مربوط کیا جائے تاکہ تخلیقی عمل کے پسِ پردہ کارفرما سماجی اور ذہنی محرکات کا لسانی مطالعہ ممکن ہو سکے۔

۵۔ انیس ناگی کی لسانی تھیوری کی روشنی میں دیگر اصنافِ سخن، بالخصوص نثری نظم اور جدید افسانے کا تجزیاتی مطالعہ شروع کیا جائے تاکہ اردو ادب کے مجموعی معنوی ڈھانچے کی معیار بندی سائنسی خطوط پر کی جا سکے۔

حوالہ جات

1. انیس ناگی، شعری لسانیات، فیروز سنز، لاہور، ۱۹۹۰، ص ۵
2. ڈی وڈ کرسٹل، لسانیات کیا ہے؟، مترجم: ڈاکٹر نصیر احمد خان، نگارشات ٹیمپل روڈ لاہور، 1997ء، ص۔28
3. انیس ناگی، شعری لسانیات، ص ۱۴
4. شمس الرحمٰن فاروقی، لفظ و معنی، مشمولہ: ادب کا لسانیاتی تجزیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگو یجز، اسلام آباد، ۲۰۲۲ء، ص ۳
5. نجم الدین رام پوری، بحر الفصاحت، جامعہ ہمدرد، دہلی، ۱۹۵۷ء، ص ۳۰۵
6. محمد سبطین، ادب کا لسانیاتی تجزیہ: معاصر طویل اردو نظم میں معنی کا مطالعہ، مقالہ برائے ایم فل، نمل یونیورسٹی، اسلام آباد، 2022ء، ص3

7. محمد ہادی حسن،زبان اور شاعری، مجلس ترقی ادب،لاہور،۲۰۱۵ء،ص ۷۵

8. انیس ناگی،شعری لسانیات ، شعری لسانیات ، ص41

9. محمد انوار الحق،دیوان غالب جدید،نسخہ حمیدیہ،مدینہ پریس اکیڈمی،بھوپال،۱۹۸۲ء،ص۳۰۹

10. ہارون الرشید تبسم،ادبی اصطلاحات،بک کارنر، جہلم،2015ء،ص117

11. انور جمال،ادبی اصطلاحات، نیشنل بک فاؤنڈیشن،اسلام آباد،2012ء،ص66

12. سلیم شہزاد، فرہنگِ ادبیات: لسانی و ادبی اصطلاحات کا توضیحی و تنقیدی مطالعہ، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، ۲۰۱۸ء، ص ۵۰۰

13. انیس ناگی،شعری لسانیات ، ص۹۱

14. قاضی افضال حسین، میر کی شعری لسانیات، عرشیہ پبلیکیشنز علی گڑھ،1983ء،ص20

References

1. Anis Nagi, *She'ri Lisaniyat*, Feroz Sons, Lahore, 1990, p. 5.
2. David Crystal, *Lisaniyat Kya Hai?*, mutarjim: Dr. Nasir Ahmad Khan, Nigarshat, Temple Road, Lahore, 1997, p. 28.
3. Anis Nagi, *She'ri Lisaniyat*, p. 14.
4. Shams-ur-Rahman Faruqi, *Lafz o Ma'ni*, mashmoola: *Adab ka Lisaniyati Tajziya*, National University of Modern Languages, Islamabad, 2022, p. 3.
5. Najm-ud-Din Rampuri, *Bahr-ul-Fasahat*, Jamia Hamdard, Delhi, 1957, p. 305.
6. Muhammad Sibtain, *Adab ka Lisaniyati Tajziya: Mu'asir Taweel Urdu Nazm Mein Ma'ani ka Mutala'a*, MPhil Thesis, NUML University, Islamabad, 2022, p. 3.
7. Muhammad Hadi Hussain, *Zaban aur Sha'iri*, Majlis-e-Taraqqi-e-Adab, Lahore, 2015, p. 75.
8. Anis Nagi, *She'ri Lisaniyat*, p. 41.
9. Muhammad Anwar-ul-Haq, *Diwan-e-Ghalib Jadeed, Nuskha-e-Hameediya*, Madina Press Academy, Bhopal, 1982, p. 309.
10. Haroon-ur-Rasheed Tabassum, *Adabi Istilahat*, Book Corner, Jhelum, 2015, p. 117.
11. Anwar Jamal, *Adabi Istilahat*, National Book Foundation, Islamabad, 2012, p. 66.
12. Saleem Shehzad, *Farhang-e-Adabiyat: Lisani o Adabi Istilahat ka Tauzeehi o Tanqeedi Mutala'a*, Qaumi Council Baraye Farogh-e-Urdu Zaban, New Delhi, 2018, p. 500.
13. Anis Nagi, *She'ri Lisaniyat*, p. 91.
14. Qazi Afzal Hussain, *Meer ki She'ri Lisaniyat*, Arshiya Publications, Aligarh, 1983, p. 20.